نظریہ قومیت سے متعلق بیسویں صدی کے مسلم مفکرین کی آراء کا مطالعہ

Analysis of Thoughts of Muslim Thinkers of Twentieth Century About Nationalism

Ghulam Ahmad Khan
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore;ahmad70@gmail.com
Muhammad Akram Rana
Prof. Dean, Faculty of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore

Abstract:

Love of birth – place and country is a part of man's nature and instinct. If this thing becomes an ideaology or a source of pride and arrogance against other races or nations then it is called nationalism. Islam rejects nationalism and all types of differences and wants to create a global community on the basis of oneness of Allah and Prophethood. In the Past history the dominance of the western world divided the whole mankind in to different nations and races. In twentieth century the tribulation of nationalism has been on its climax .The representatives of colonialism have given the slogan of civilization to the uneducated nations. Thus they have exploited the poor and backward nations. In this article, the concept of nationalism of the muslim thinkers of the twentieth century has been discussed and analysed.

Keywords: Islam, Nationalism, Global Community, Twentieth Century, Colonaialism, Muslim Thinkers.

وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے ۔ جب یہ جذبہ مثبت صورت میں ہو تو افراد قوم میں بھائی چارے، خیر خواہی اور وطن پر جان قربان کرنے کا باعث بنتا ہے۔ مگر جب یہ جذبہ منفی صورت اختیار کر جائے تو رنگ، نسل یا مذہب کے اختلاف کی بناپر اولاد آدم سے نفرت اور دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ شیطان نے قوم پرستی کے اس منفی جذبہ کو متعدد مرتبہ فساد فی الارض کے لئے موثر آلہ کار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ان ہی محرکات کی بناپر غالب اور طاقتور اقوام نے مغلوب و مستضعفین(Oppressed) اقوام

کے مکمل خاتمے کی خواہش کو لے کر ان کی اجتماعی نسل کشی کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ ماضی قریب میں پہلے روس، بوسنیا، چیچنیا اور پھر افغانستان، عراق اور شام میں مسلمانوں کا قتل عام اور حال ہی میں برما اور ہندوستان میں مسلمانوں اور دلتوں پر مظالم قومیت و نسل پرستی کے ہی عملی مظاہر ہیں۔ بیسویں صدی مسلمانوں کے فکری احیاء کی صدی ہے جس میں مسلم مفکرین نے قومیت پرستی کے مقابل اسلام کے نظریہ قومیت کو اجاگر کیا ہے۔

قومیت کا معنٰی و مفہوم

بنیادی طور پر لفظ قومیت، قوم سے بنا ہے۔ فعل قام یقوم کے تین مصادر آتے ہیں، قو ماً، قیا ماً، قومۃً، اس کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ (1) یعنی لوگوں کی ایسی جماعت جو باہمی تعلق کی بنا پر کسی مقصد کے تحت کھڑی ہو۔ پھر یہ لفظ القومیہ "Nationalism" یعنی قوم پرستی کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ (2)

بیسویں صدی میں یورپ کے تصور قومیت پرستی نے مسلمان اقوام کو بھی فکری طور پر بہت متاثر کیا حتی کہ بعض مسلمان زعماء بھی اس حوالے سے فکری مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اسی بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ مغربی تصور قومیت جس کی بنیاد رنگ و نسل، زبان اور علاقائی تشخص پر ہے کیا مسلم مفکرین کا تصور قومیت اس سے مماثلت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ان کا تصور قومیت اہل مغرب سے مختلف ہے تو ان میں کیا فرق ہے؟ مقالہ ہذا میں بیسویں صدی کے مسلم مفکرین، خاص طور پر جمال الدین افغانی، ڈاکٹر محمد اقبال، حسن البنا اور سید ابوالاعلی مودودی کے تصور قومیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

نوآبادیاتی نظام اور قومیت پرستی

یونانیوں کے ہاں وحشی (Barbarians) کے معنی غیر یونانی تھے اور یہی نیشنلزم کا ابتدائی جرثومہ (virus) تھا۔ جو بعد ازاں پورے یورپی ممالک میں پھیل گیا اور مختلف قسم کے تعصبات کا سبب بنتا چلا گیا مثلاً اسی دور میں نعرے لگنے لگے کہ جرمنی سب سے اوپر ہے، امریکہ خدا کا اپنا ملک ہے، اٹلی ہی مذہب ہے،

1۔ احمد حسن الزیات، المعجم الوسیط، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۵۲

2۔ منیر البعلبکی، المورد، دار العلم بیروت، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۰۵

حکومت کرنا برطانیہ کا وراثتی حق ہے وغیرہ وغیرہ۔یعنی انتقام اور عدل وانصاف کے خون کا نام نیشنلزم رکھ دیا گیا یہ اصول(Doctrine) جو قوم اعلی درجہ کا علم اور تہذیبی سرمایہ رکھتی ہے اسے حق حاصل ہے کہ وہ نہ صرف اپنی آزادی کا تحفظ کرے بلکہ اپنے دائرہ اثر کو ان قوموں تک پھیلائے جو نسبتاً پسماندہ ہیں۔خود غرضی اور خود پرستی پر مبنی نقطہ نظر ہے۔اس متعصبانہ نظریے کو عالمگیر قانون حیات کے طور پر پیش کیا گیا گویا کہ کامیاب قومیں ہی زندہ رہنے کی حقدار ہیں۔ جنگیں ہی قوموں کو بناتی اور مٹاتی ہیں۔اس نظریہ کے تحفظ کے لئے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر فرانس، برطانیہ اور ہالینڈ نے معاہدہ Six Beco کے تحت اسلامی ممالک کو باہم تقسیم کیا۔ نتیجتاً خلافت کا خاتمہ ہوا اور امت مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔امت سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ فکری و نظریاتی سطح پر بھی زوال کا شکار ہوئی جس سے وطن پرستی اور قوم پرستی کے فتنہ نے جنم لیا۔

اسی حوالے سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”مصر، سوڈان، عراق، فلسطین، ہندوستان، ملائیشیا اور نائیجیریا برطانیہ کے حصہ میں جبکہ شام، لبنان ، شمالی افریقہ اور تیونس ہالینڈ کے حصہ میں آئے۔ پورا عالم اسلام استعمار کے قبضہ میں چلا گیا اور مسلمانوں کی حکومت و خلافت کا خاتمہ ہونے سے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا جس سے وطن پرستی، قوم پرستی اور زبان پرستی جیسے افکار نے جنم لیا۔“ (3)

ایشیا میں برطانیہ کی درج ذیل نوآبادیات شامل تھیں:

”اس میں ہندوستان، برہما، سیلون، سائپرس، ہانگ کانگ، عدن اور فلسطین شامل تھے۔اس کے علاوہ پانچوں براعظموں میں اسکی نوآبادیات شامل تھیں جو دنیا کا پانچواں حصہ سے زائد بنتا تھا۔"(4)

3۔القرضاوی، محمد یوسف، اخوان المسلمون کی جدوجہد کے ۷۰ سال، مکتبہ المصباح لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۲۵

4۔خان، عبدالحمید، آئین حکومت ہند ۱۹۳۵ء، دارالاشاعت لاہور، ۱۹۳۷ء، ص:۱۴

بیسویں صدی کے آغاز میں اہل مغرب علمی وسائنسی ترقی کی بناپر مہذب معاشرے کہلانے لگے اور انہوں نے از خود فیصلہ کیا کہ انہیں ترقی پذیر معاشروں پر اپنی حاکمیت قائم کر کے انہیں تعلیم یافتہ اور مہذب بنا نا ہے گویا کہ کمزور اقوام پر حق حکمرانی ان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ یہ کہہ کر تہذیب جدید کے علمبرداروں نے لاکھوں بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے مگر ہر جگہ یہی اعلان کیا کہ وہ دنیا کو آزادی ،اخوت، احترام آدمیت اور مساوات کا درس دینے نکلے ہیں۔ لہذا رنگ و نسل کی بناء پر تفاخر اور برتری کے نظریہ قوم پرستی کو پوری دنیا میں فروغ دیا گیا۔ ان حالات میں مسلم زعماء نے اسلامی تصور قومیت کو بیان کیا اور مغربی تصور قومیت کے نقائص کو واضح کیا۔ ذیل میں ہم ان زعماء ملت کے افکار کا اجمالی تذکرہ بالترتیب کر رہے ہیں۔

جمال الدین افغانی کا تصور قومیت

ایک سحر انگیز شخصیت جس نے امت مسلمہ کی وحدت اور متعدد ممالک سے انگریز اقتدار کے خاتمہ میں اہم کردار ادا کیا، جمال الدین افغانی کی ہے۔ وہ قیادت ساز شخصیت تھے۔ وہ اتحاد عالم اسلامی کے داعی اور مستقبل میں اٹھنے والی اسلامی تحریکوں کی اصل اور روح رواں تھے۔ انکی مضبوط علمی و فکری اور روحانی شخصیت نے ان سے وابستہ افراد پر بالعموم اور ان کے شاگردوں پر بالخصوص گہرے اثرات مرتب کئے۔ انہوں نے امت مسلمہ میں بیداریٔ شعور کی نئی تحریک کا آغاز کیا۔ شاہد حسین رزاقی انکے نظریہ قومیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جمال الدین افغانی مصری تحریک حریت اور ایران کی تحریک مشروطیت کے رہنما تھے۔ وہ مسلم ممالک میں اسلامی فکر و شعور کی بیداری اور اتحاد کے بانی تھے۔ ان کا اثر و نفوذ اور بھی گہرا ہوتا اگر کوئی دانش مند اور بااثر مسلمان حکمران انکا ہم خیال ہوتا اور جوش اسلام سے سرشار ہو کر انکی تجاویز پر عمل کرتا۔" (5)

5۔ رزاقی، شاہد حسین، سید جمال الدین افغانی کے حالات وافکار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲

افغانی نے اپنے آپ کو محض اپنے وطن افغانستان تک محدود نہ رکھا بلکہ وہ ہر مسلم ملک کو اپنا ہی وطن تصور کرتے تھے۔ اپنے افکار کے فروغ کے لیے افغانی نے بہت متحرک کردار ادا کیا۔ انہوں نے اس کی خاطر ہندوستان، ایران، ترکی، عراق، مصر، جرمنی، روس، فرانس اور برطانیہ کے علمی اسفار کئے۔ شفیق الاسلام فاروقی تحریر کرتے ہیں:

"جمال الدین افغانی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان آئے اور اپنی تحریک کا آغاز کیا پھر ایران، عراق، مصر، جرمنی، برطانیہ، فرانس، روس، اور ترکی کے اسفار برائے اتحاد عالم اسلامی کی کوششوں کے لئے کئے۔ جنکا اس دور میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔" (6)

افغانی نے اپنی دعوت کے فروغ کے لیے رسالہ "العروۃ الوثقیٰ" جاری کیا۔ 1880ء تک اس رسالہ کے ذریعہ ہندوستان کے ارباب فکر و دانش افغانی کے افکار سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے۔ افغانی کے درج ذیل نظریات:

1. مثالی اسلامی ریاست کا قیام
2. اتحاد امت کی خاطر مختلف اسلامی ملکوں میں علاقائی مراکز ہوں جو مقامات مقدسہ پر قائم وفاقی مرکز سے منسلک ہوں۔
3. عالمی سطح پر فقہ اکیڈمی کا قیام جس کے ذریعے امت ایک اجتماعی اجتہاد پر متفق ہو جائے۔

سے علامہ شبلی نعمانی اور علامہ محمد اقبال جیسے فکری عمائدین متاثر تھے اور افغانی کے افکار ان مفکرین کے ذریعے ہندوستان میں فروغ پذیر تھے۔ پروفیسر عزیز احمد ان کے نظریہ قومیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ایک وفاقی مرکز سے جوڑنا چاہتے تھے۔

"افغانی ہر اس خطہ ارض کو جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا از سر نو فتح کرنا مسلمانوں کے دین کا فریضہ سمجھتے تھے۔ افغانی کا نظریہ اتحاد امت یہ تھا کہ مسلمان مختلف ممالک میں علاقائی مراکز قائم کریں۔ وہ

6۔ فاروقی، شفیق الاسلام، تحریک احیاء اسلام، اذان سحر پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۱-۴۲

مراکز ایک وفاقی مرکز سے منسلک ہوں جو مقامات مقدسہ میں سے کسی ایک جگہ قائم کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ امت متفقہ اجتہاد پر متفق ہو جائے۔ اس سے احیاء امت از سر نو ہو سکے گا۔" ([7])

افغانی کے دور میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مرکزی خلافت سلطنت عثمانیہ کی شکل میں قائم تھی مگر اس کی حیثیت مریض ناتواں کی سی تھی۔ ہندوستان اور مصر پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ افغانستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں تھا اور ایران بھی اندرونی خلفشار کا شکار تھا۔ ان حالات میں مسلم مفکرین اور زعماء اپنے اپنے ملک کی آزادی کی فکر میں تھے مگر افغانی کے پیش نظر پورے عالم اسلام کی آزادی اور اتحاد تھا۔ قرۃ العین عابدی بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحریر کرتے ہیں:

''Afghani , One of the Most remarkable figures in the XiX century. He was at once author, orator and journalist but above all he was a politician regarded by his opponents as a agitator. He was one of the most convinced champions of the pansislamic idea with tongue and pen.([8]) ''

افغانی اپنے دور کی عظیم شخصیات میں سے تھے۔ وہ بیک وقت نہ صرف مصنف، مقرر اور صحافی تھے بلکہ سیاستدان بھی تھے جس کا اعتراف انکے مخالفین بھی کرتے ہیں کہ وہ زبردست مخالف تحریک چلانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ پان اسلام ازم (Panislamism) کے تصور کے زبردست حامی اور محرک تھے جس کو انہوں نے اپنی زبان اور قلم کے ذریعے ثابت کیا۔

افغانی نے سلطنت عثمانیہ کے زوال، سلطنت مغلیہ کے خاتمے اور مسلمان ممالک پر اہل مغرب کے اقتدار کا خود مشاہدہ کیا اور اس زوال کے درد کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کے خاتمے کے لیے عملی جدجہد بھی کی۔ افغانی نے بنیادی طور پر مسلم امہ کے احیاء اور خلافت عثمانیہ کی بحالی کا خواب دیکھا۔ پھر اس کو تصور میں ڈھالا اور اس کے بعد اس کی تعبیر کے لیے عملی جدوجہد کی۔ افغانی نے امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے تڑپ رکھنے والے مسلم مفکرین کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کرنے کی کوشش کی اور ایک عالمگیر تحریک بپا کرنے کے لیے

7۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۹۱،۹۰

8۔ عابدی، قرۃ العین، اسلامی افکار و شخصیات، ویلکم بک پورٹ کراچی، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۳۵

راہ ہموار کی جس کا مرکز وہ مکہ یا مدینہ میں سے کسی ایک جگہ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ بعد میں اخوان المسلمون، سنو سی تحریک اور جماعت اسلامی افغانی کے افکار سے ہی متاثر ہو کر معرض وجود میں آئیں۔ افغانی نے رنگ و نسل اور زبان پر مبنی مغربی تصور قومیت کو کلیتا رد کیا۔

تصور قومیت ڈاکٹر محمد اقبال کی نظر میں

علامہ اقبال ہندوستان میں مسلمانوں کے الگ تشخص کے حامی تھے لہذا انہوں نے خطبہ الہ آباد میں مسلمانوں کے تصور قومیت کی وضاحت کی اور الگ وطن کے قیام کا تصور پیش کیا جبکہ علمائے دیوبند میں حسین احمد مدنی ہندو مسلم متحدہ قومیت کے ذریعے انگریزی اقتدار کا خاتمہ چاہتے تھے۔ جبکہ علامہ اقبال سمجھتے تھے کہ موجودہ نظام جمہوریت میں انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندو اکثریت کی بناپر مسلمانوں کا استحصال کریں گے۔ حسین احمد مدنی نے دلیل یہ دی کہ میثاق مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے لیے المومنین کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے لہذا متحدہ ہندوستان کو تقسیم کرنا دراصل برطانیہ کی خدمت انجام دینا ہے۔ اقبال نے اس تصور کو سختی سے رد کیا اور کہا کہ اس نظریہ کے حامی علماء، امت کو تقسیم کرنے کی لعنت میں گرفتار ہیں۔

" یہ قومیت جدید فرنگی نظریہ اہل یورپ کے نزدیک اسلام کی وحدت دین کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ اسلامی ممالک میں نظریہ وطنیت کی اشاعت و تبلیغ کی جائے اسکی انتہا یہ ہے کہ اب ہندوستان میں بعض دینی پیشوا بھی اس نظریہ کے حامی ہیں۔ زمانے کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے کہ پہلے نیم مغرب زدہ پڑھے لکھے اس فریب میں مبتلا تھے اب علماء بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔" (9)

عجم ہنوز نداند رموز دین ورنہ
زد دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

9۔ خان، محمد احمد، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۵۸۶

مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است (10)

بقول اقبال، قومیت پرستی اور جغرافیائی حدود کی بناء پر قائم ریاست کو اسلام کی سیاسی فکر قبول نہیں کرتی کیونکہ یہ فکر انسان کو محدود ملکی مفادات کے دائرہ سے باہر نکل کر انسانیت اور مسلم امہ کے اجتماعی مفادات کے لیے سوچنے نہیں دیتی۔ جبکہ اسلام انسانی نمونہ کمال کے حصول کے لیے مساوات اور حریت جیسے اعلیٰ اصولوں پر کاربند ہونے کا نام ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے علامہ افغانی کے افکار کی تائید کی۔ محمد اکرم چغتائی فکر اقبال کے اسی پہلو کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"پان اسلام ازم (Panislamism) ایک ایسی سیاسی و قومی تحریک ہے جس کے نتیجہ میں متحدہ فکر کی بناء پر مسلم قوم ملکی مفادات کی لعنت سے آزاد ہو جائے گی۔ اسلام ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کی بنا پر کھڑا ہے۔ اسلام ہی انسانی نمونہ کمال کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں اور قابل عمل نہیں۔" (11)

بعض ہندو مسلم لیڈر ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگا رہے تھے۔ قائداعظم بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنی ابتدائی جدوجہد کانگرس کے زیر سایہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے مختص رکھیں۔ مگر علامہ اقبال صائب فکر کے حامل تھے اور جانتے تھے کہ دونوں اقوام کو ایک دوسرے کی نیت پر اعتماد نہیں لہذا اس اعتبار سے باہمی تعاون کی جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں۔ علامہ اقبال نہیں چاہتے تھے کہ مغربی اصول جمہوریت پر مسلمانوں کے تشخص و وجود کا خیال کیے بغیر عمل شروع کر دیا جائے۔ بقول ان کے:

"پہلے ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے یعنی کسی بھی ملت کے وجود کو فناء کئے بغیر ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے جو اپنے اندر کے ممکنات کو عمل میں لا سکیں۔ شمال مغربی

10۔ علامہ اقبال، ارمغان حجاز، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۷۵۴

11۔ چغتائی، محمد اکرم، پیر رومی و مرید ہندی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷

ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی خواہ یہ ریاست و سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ باہر اپنا الگ تشخص قائم کرے۔"(12)

علامہ اقبال نے عملی سیاست بھی کی اور ہر سطح پر مسلمانوں کی فکری رہنمائی بھی کی، نظریہ خودی پیش کر کے مسلمانوں کو عمل پر ابھارا۔ مغربی تہذیب پر جرأتمندانہ تنقید کی اور اس کے الحاد کو واضح کیا۔ آپ مغربی تصور قومیت و جمہوریت کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اسلام کے دو سیاسی اصول ہیں: اول: قانون الٰہی کی حاکمیت ، دوم: ملت کے تمام افراد میں مساوات کا قیام۔ اسلام کا سیاسی نصب العین ملت اسلامیہ کے اتحاد کے ذریعہ صحیح معنوں میں جمہوریت کا قیام ہے۔"(13)

علامہ اقبال نے ۸ مارچ ۱۹۰۹ء غلام قادر فرخ امر تسری کو جواباً خط لکھا انکی طرف سے انہیں ہندو مسلم مشترک تنظیم منر والاج میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ علامہ نے یہ کہہ کر شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ مشترکہ قومیت کے تصور سے مسلمان اپنا الگ تشخص کھو دیں گے اور یہ نظریہ قابل عمل نہیں ہے۔

" میرا خیال ہے کہ قومی تشخص کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے ضروری ہے ہندوستان میں مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال، خوبصورت اور شعریت سے معمور ہے تاہم موجودہ حالات اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔"(14)

علامہ اقبال کے ان افکار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مغربی تصور قومیت کو سختی سے رد کرتے ہیں اور مسلم قومیت کی بنیاد رنگ، نسل، ذات پات اور ملک کو قرار دینے کی بجائے اس کی بنیاد عقیدہ ءتوحید و رسالت یعنی دین اسلام کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے اقبال نے کہا تھا کہ

12۔ حقانی، ارشاد احمد، اقبال اور قائد کا تصور ریاست، آگاہی پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۱۸۔۲۰

13۔ صدیق جاوید، فکر اقبال کا عمرانی مطالعہ، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۲۸۰

14۔ ایم ناز، اقبال اور تحریک آزادی، مقبول اکادمی، لاہور، س ن، ص: ۲۵-۳۳

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی (15)

اور اقبال کی یہ خواہش تھی کہ لیگ آف نیشنز کی طرز پر مسلمانوں کا جینوا تہران بنے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر (16)

اقبال یہ بات بخوبی سمجھتے تھے کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں نے الگ وطن حاصل نہ کیا تو ایک آدمی ایک ووٹ کے تصور جمہوریت کے تحت مسلمان ہندو اکثریت کے ظلم کا شکار ہو جائیں گے۔ لہذا مسلم قومیت کے اظہار کے لیے الگ وطن کا حصول ضروری ہے۔

تصور قومیت حسن البنا کی نظر میں

حسن البنا بیسویں صدی میں مصر کی اسلامی تحریک اخوان المسلمون کے بانی تھے جن کے افکار نے مصر کی تحریک آزادی میں بالخصوص اور مشرق وسطیٰ میں نئ روح پھونک دی تھی۔

حسن البنا نے مسئلہ قومیت کو واضح کرتے ہوئے کہا:

"ان کل ارض یقال فیھا لا الہ اللہ محمد رسول اللہ ھی جزء من وطننا،لہ حرمتہ وقداستہ والاخلاص لہ والجھاد فی سبیلہ خیرا۔ " (17)

" ہر وہ سر زمین جس میں لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے وہ ہمارے وطن کا ہی حصہ ہے اسکی عزت و حرمت ہے اور اس کے لئے ہمارے دل میں خلوص ہے اور اسکی آزادی کے لئے جہاد کرنا خیر کا کام ہے۔"

بیسویں صدی کی ابتداء میں عالم عرب مغربی تصور قومیت پرستی کی طرف دعوت دے رہا تھا اور صرف عرب اتحاد کے لیے کوشاں تھا۔ یعنی اہل عرب پھر سے اسلام سے قبل کے عہد جاہلیت کی یاد تازہ کر

15۔ علامہ اقبال، بانگ درا، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۷۷

16۔ علامہ اقبال، بانگ درا، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۹۵

17۔ کامل اسماعیل، اخوان فی حرب فلسطین، مکتبہ قاہرہ، ۱۹۵۱ء، ص: ۴۶۔۴۹

رہے تھے۔ پھر سے نحن العرب کا نعرہ لگ رہا تھا اور مصری اپنی تہذیب کا تعلق فراعنہ سے جوڑ رہے تھے حالانکہ اسلام عرب و عجم کی تقسیم کو قبول نہیں کرتا اور افضیلت کا معیار ایمان اور تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ حسن البنا نے اسکے خلاف نظریہ مسلم قومیت پیش کیا انہوں نے لکھا:

" اہل عرب جس نظریہ قومیت کی طرف دعوت دے رہے ہیں انکو یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ غیر عرب مسلمانوں کی تعداد عرب مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ لہذا عالم عرب کے صاحبان عقل و دانش کو چاہیے کہ وہ پوری قوت سے اسکے خلاف جہاد کریں اور امت کو اس تباہ کرنے والے سفینہ میں سوار نہ ہونے دیں بلکہ اتحاد عالم اسلامی کی طرف دعوت دیں۔"(18)

حسن البنا کے دور میں ہر طرف نیشلزم کا چرچا تھا۔ جاہلیت قدیمہ جاہلیت جدیدہ کی صورت لوٹ آئی تھی دوبارہ سے عرب و عجم کی تقسیم کی باتیں ہو رہی تھیں اور مصری، شامی، ایرانی، اطالوی، جرمنی اور برطانوی قومیت کے نعرے لگ رہے تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے کہا:

"ہم قومیت (Nationalism) کو اس مفہوم میں نہیں مانتے جیسا کہ اطالوی، برطانوی قومیت وغیرہ اور نہ مسلم امت کو مصری، شامی، فرعونی، اور عربی و عجمی میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں اور نہ دوسری اقوام پر اپنے آپکو افضل جاننے کا نام قومیت ہے۔ اسلامی تصور قومیت سے مراد اعتقادی وحدت ہے اس لحاظ سے قومیت دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے:

(۱) قومیت الامۃ (۲) قومیت جاہلیہ "(19)

حسن البناء کے نزدیک اسلام تمام انسانوں کو ایک معاشرے کی طرح دیکھتا ہے اور ان کے لیے خیر خواہی کے جذبے کو فروغ دیتا ہے جبکہ اپنے اپنے وطن سے محبت فطرت انسانی میں ہے اور اسلام اہل وطن کی

18۔ ندوی، ابوالحسن علی،، تعمیر انسانیت، مجلس نشریات اسلام کراچی، س ن، ص:۹۶،۹۷

19۔ الطحان، مصطفی محمد، امام حسن البنا، مکتبہ السالمیہ، کویت، ۲۰۰۸ء، ص:۱۶۷۔۱۷۰

ترقی کے لیے کوشش کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیتا۔ مگر محض اوطان کی طرف دعوت جوامت میں تفریق کا باعث ہو قومیت جاہلیہ ہے۔ یہ ناپائیدار، محدود اور کاذب دعوتیں ہیں بقول ان کے:

"اس وقت دنیا میں عصبیت کی بنیاد پر دعوت کا زور و شور ہے اور اٹلی میں مسولینی کا فاشزم ہے، ترکی میں طورانی قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں اور ہر کوئی اپنی برتری دیگر اقوام پر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ غیر طبعی، غیر دائمی اور کاذب دعوتیں ہیں جبکہ اسلام تمام عالم انسانی کو ایک معاشرے کی طرح دیکھتا ہے لہذا انسانیت کی خیر خواہی صرف دعوت اسلامیہ میں ہے۔" (20)

اسلام اس تصور قومیت کا قائل نہیں کہ رنگ و نسل، زبان یا علاقہ کی بناء پر دیگر اقوام پر اپنی برتری اور فضیلت ثابت کی جائے۔ حسن البناء کے دور میں امریکہ میں ایک جماعت عرب اتحاد کی خاطر بنائی گئی جس کے ہر ممبر کو حلف اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ عالم عرب کو ایک اکائی تسلیم کرتا ہے اور اس کے اتحاد کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے گا اور اس کو باطل قوتوں سے پاک کرے گا اور آخر میں یہ کہتا کہ اللہ میرے اس عہد پر گواہ ہے۔ حسن البنا نے اپنی یادداشتوں میں لکھا کہ عرب اتحاد کی دعوت بھی میرے نزدیک درست تصور قومیت کی طرف دعوت نہیں ہے۔

" میرے نزدیک یہ وحدۃ امت مسلمہ کے لحاظ سے درست دعوت نہیں ہے"۔(21)

اسلام اپنے بنیادی عقائد کو تصور قومیت کی بنا قرار دیتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کو ایک کلمہ کے تحت جمع کیا نہ کہ عرب قومیت کے نام پر۔ اگر آپ ﷺ عرب قومیت کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرتے تو یہ ایرانی اور رومی طاغوت سے چھٹکارا پاکر عرب طاغوت کی طرف دعوت قرار پاتی۔

20۔ حسن البناؒ، الدعوۃ والداعیہ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۹۶۴ء، ص: ۲، ۲۷

21۔ شیرازی، سید معروف شاہ، حسن البنا کی یاداشتیں، منشورات مانسہرہ، پاکستان، س ن، ص: ۲۵۵

"کیونکہ یہ بات درست نہ ہوتی کہ مخلوق خدا ایرانی، رومی طاغوت سے نجات پانے کیلئے عرب طاغوت کا طوق غلامی اپنے گلے میں ڈال لیتی۔ اسلام ایک عقیدہ کی بناء پر قومیت کا علمبردار ہے یہ دعوت کا فطری طریق ہے۔"(22)

حسن البناء کو اپنی شہادت سے قبل احساس ہو گیا تھا کہ نیشلزم کے خلاف پوری دنیا میں بیداری کی لہر جنم لے رہی ہے۔ کیونکہ مغرب میں سیاہ فام عرصہ دراز سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے خاص طور پر جب امریکہ میں ان پر مظالم ڈھائے گئے اور جیلوں کو ان سے بھر دیا گیا تو انہیں میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اپنے حقوق کے حصول کے لیے انہوں نے طویل جدوجہد کا آغاز کیا اور باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ بالآخر انہوں نے دنیا سے منوا لیا کہ سیاہ فام گورے انسان کا نصف نہیں بلکہ اس کے برابر کا انسان ہے نیز یہ کہ رنگ کا ذہانت اور روحانیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اہل مغرب کا روحانی خلا اضطراب، ذہنی و نفسیاتی دباؤ، فکری و نظریاتی انتشار اور انسانیت پر مظالم کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس خلا کو اسلام ہی پر کر سکتا ہے کیونکہ وہی ایک مکمل نظام حیات عطا کرتا ہے۔ اخوان طلباء کی کانفرنس منعقدہ فروری ۱۹۳۸ء میں حسن البنا نے اسلام کا تصور قومیت یوں بیان کیا۔

" کیا اسلام کا سیاست، معاشرت، معیشت، قانون، دستور اور کلچر سے کوئی الگ تصور بھی ہے؟ کیا قرآن نے ان سب تصورات کے لئے ایک مکمل اور واضح نظام نہیں دیا؟ بعض نام نہاد مسلمانوں اور اہل مغرب کا تنگ نظر اور محدود تصور اسلام جس میں مخالفین اسلام مسلمانوں کو مختلف حدود یعنی قومیتوں میں تقسیم کر کے انکار مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔" (23)

22۔ سید قطب، قرآن کا طریق انقلاب، انور پبلیکیشنز، ملتان، س ن، ص: ۷، ۸

23۔ Muhammad Rafique Habib, Dr. A Critical analysis of the Idealogy of Dr. Muhammad Tahir ul Qadri, with special reference to Islamic revivalism, Ph.D Thesis (2012), University of Aberty Dundee, U.k,p: 106

بقول محمد عبداللہ الخطیب اخوان المسلمون کے وقت عالم عرب سے بالعموم اور مصر سے بالخصوص جو افکار فروغ پارہے تھے ان میں سے چند نمایاں افکار یہ تھے کہ اسلام رجعت پسند اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ عربی زبان اور اہل عرب کا تحفظ ہونا چاہئے۔ اسلامی ثقافت یونان اور فارس سے ماخوذ ہے لہذا ہمیں دوبارہ فراعنہ اور بابلی تہذیب کی طرف لوٹ جانا چاہئے۔ ان حالات میں حسن البناء نے اسلامی تصور قومیت کو فروغ دیا اور وحدت امت کی عملی تحریک کا آغاز کیا۔

''حسن البناء نے اس تصور وطنیت و قومیت کی شدید مخالفت کی اور اسلامی صحافت کو فروغ دیا اور وحدت امت مسلمہ کی آواز بلند کی''۔(24)

حسن البنا کی خواہش تھی کہ تمام عالم اسلام متحد ہو جائے البتہ اس کو انہوں نے تدریجاً دو حصوں میں تقسیم کر دیا کہ پہلے مرحلہ میں عرب ممالک کو متحد کیا جائے اور دوسرے مرحلے میں عالم اسلام کو وہ لکھتے ہیں کہ '' مصر، شام، عراق، حجاز یمن، طرابلس، تیونس، الجزائر اور ہر وہ خطہ زمین جس پر کوئی مسلمان بستا ہو وہی ہمارا وطن اور قومیت ہے جسکی آزادی اور اتحاد کے لئے ہم کوشاں ہیں تاکہ اللہ تعالی کی حکومت کا جھنڈا ان تمام خطوں پر لہرائے۔'' (25)

1928ء میں حسن البناء نے اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی تو عالم عرب میں "نحن العرب" کا نعرہ گونج رہا تھا۔ جس کا ظہور بعد ازاں عرب لیگ کی صورت میں ہوا۔ حسن البناء نے اس فتنہ کو اس کے آغاز میں بھانپ لیا تھا اگرچہ حسن البناء نے امت کے اتحاد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

پہلا مرحلہ: عالم عرب کا اتحاد، دوسرا مرحلہ: عالم اسلامی کا اتحاد

حسن البناء کے ذہن میں یہ تھا کہ اسلام کا مرکز حجاز ہے اور اسلام کا آغاز بھی یہیں سے ہوا ہے۔ شاید دوبارہ اسلام کا احیاء اور غلبہ بھی عالم عرب سے ہو۔ لہذا انہوں نے عالم اسلامی کے اتحاد کو دوائر میں تقسیم کر دیا مگر اس کے باوجود وہ مغربی تصور قومیت کو شدت سے رد کرتے ہیں اور ایک کلمہ شہادت کو امت کی بناء قرار

24۔ محمد عبداللہ، الامام حسن البنّا داعیہ، دار التوزیع والنشر قاہرہ، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳۔ ۲۳

25۔ حسن البنّا، الی الشباب، س ن، ص: ۱۰

دیتے ہیں۔ نیز انہوں نے اہل عرب کے تصور قومیت کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ مسلم قومیت عرب و عجم کی تقسیم کو بھی قبول نہیں کرتی۔

سید مودودی کا تصور قومیت

سید ابوالاعلی مودودی جماعت اسلامی پاکستان کے بانی اور نفاذ اسلام اور غلبہ دین حق کے داعی تھے۔ ان کا انتقال 1979ء میں ہوا۔

مغربی تصور قومیت کو رد کرتے ہوئے مودودی صاحب نے مستقل کتاب "مسئلہ قومیت" تحریر کی اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مغرب کا تصور قومیت اسلام کے تصور قومیت سے براہ راست متصادم ہے۔اسلامی تصور قومیت کی بنا ایک کلمہ اور عقیدہ ہے نیز اس کا مقصد انسانوں میں عدل اور مساوات کا قیام ہے چاہے وہ کسی بھی فرقہ یا دین سے تعلق رکھتے ہوں جبکہ مغربی تصور قومیت کا حامی اپنی قومیت کو بہر صورت دوسروں پر فوقیت دیتا ہے اور انسانیت اور اولاد عالم کے ناطے انسانوں کو برابری کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

" اسلام اور نیشنلزم دونوں اسپرٹ اور اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں اسلام میں قومی، نسلی، جغرافیائی یا طبقاتی تفریقات کی کوئی گنجائش نہیں اس کا مقصد ایسی عالمی ریاست (world State) کا قیام ہے جس میں نسلی و قومی تعصبات کی زنجیریں توڑ کر مساوی حقوق و ترقی کے مواقع فراہم کر کے لوگوں کو ایک سیاسی نظام کا حصہ دار بنایا جائے۔اسلام کا نظام حیات لوگوں کو اپیل ہی تب کرے گا کہ اس میں جاہلیت کے تعصبات نہ ہوں۔" [26]

مذکورہ کتاب کے ایک اور مقام پر سید مودودی تحریر کرتے ہیں کہ نیشلزم انسان کو تنگ نظری، تعصب، نفرت اور محدود مفادات یعنی جاہلیت کی طرف پھیر دیتا ہے۔

26۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مسئلہ قومیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱۶-۱۱۷

" نیشنلزم آدمی کے دماغ کو اسلام سے جاہلیت کی طرف پھیر دیتا ہے۔ جس دل و دماغ میں یہ پیدا ہوتا ہے اسکی تمام دلچسپیاں قومی دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس دائرہ سے باہر کی ہر چیز سے اسکا رخ پھر جاتا ہے۔" (27)

مودودی صاحب کے ہاں دنیا میں بعض اتحاد مشترک معاشی اغراض کی بناپر ہوئے ہیں جیسے سوشلزم اور سرمایہ داریت جس نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ رزق کی اس ناہموار تقسیم کے ذریعے بڑے ممالک سرمایہ اور اسلحہ کی کثرت اور طاقت کی بناپر چھوٹے ممالک کو مزید تقسیم، کمزور اور کنٹرول کرتے ہیں لہذا طاقت ور اقوام مستقل طور پر امن عالم کے خطرہ اور بدی کا سرچشمہ ہیں۔ شیطان ان بڑی طاقتوں کے ذریعے اپنا جال دنیا میں پھیلائے ہوئے ہے۔ اس لئے مغربی تصور قومیت کا مبنی بر صداقت و حق ہونا محل نظر ہے۔ بھلا انسانی شخصیت کی ترقی و نشو و نما نے رنگ کا بھی کوئی کردار ہو سکتا ہے۔ مغربی تصور قومیت کو واضح کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں کہ یہ مستقل فساد اور بدامنی کا باعث ہے۔

" مغربی تصور قومیت سے جاہلانہ عصبیت پیدا ہوتی ہے اس نظریہ کو حق و صداقت اور ذہانت سے کوئی تعلق نہیں۔ عالمگیر اصول شرافت بھی قومیتوں کے قالب میں ڈھل کر کہیں ظلم اور کہیں عدل، کہیں سچ اور کہیں جھوٹ بن جاتے ہیں۔ جلد کے رنگ کو بھی کہیں روح کی صفائی میں کوئی دخل ہے؟ معاشی اغراض کا اشتراک انسانی خودغرضی کا ناجائز بچہ ہے۔" (28)

مولانا مودودی کے نزدیک اسلامی ریاست کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس میں حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بندے اس کے حکم کے پابند اور اس کے دئے گئے اختیارات کے دائرہ کار سے باہر نہیں جا سکتے۔ اس لئے یہ ریاست خالص اسلامی اصولوں پر قائم ہوتی ہے جس میں قومیت پرستی کا عمل دخل ناممکن ہے۔ جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ نسلی یا وطنی قومیت قائم ہونے کے بعد بھی اسلامی قومیت کا رشتہ برقرار رہ سکتا ہے وہ فریب میں مبتلا ہیں جس طرح ایک سینے میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح دو متضاد تصور قومیت ایک دل میں

27۔ ایضاً، ص: ۱۴۲، ۱۴۳

28۔ ایضاً، ص: ۱۰، ۱۳

یکجا نہیں ہو سکتے ۔ سید ریاض احمد اپنی سیاسیات پاکستان کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں مودودی صاحب کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

"The distinguishing mark of the Isamic state is its complete freedom from all traces of nationalism and its influences . It is a state built exlusively on principles"(29)

"اسلامی ریاست کا یہ امتیازی نشان ہے کہ وہ قومیت پرستی کے جملہ محرکات اور اثرات سے آزاد ہوتی ہے یہ خالص اصولوں پر چلنے والی ریاست ہوتی ہے۔"

سید مودودی کے نزدیک مسلمان دارالکفر میں یا کسی اسلام کے نام پر بننے والی حکومت میں سیاسی اعتبار سے اجنبی بن جائیں۔ایسی آزادی قابل قبول نہیں۔ مسلمانوں کو ایسی حریت درکار ہے جس سے ان کا فکری تشخص برقرار رہے نہ کہ ایک آزاد اسلامی ریاست میں ان کو اپنی ہی بقا کی جنگ لڑنی پڑے۔ میرے نزدیک اسلامی ریاست وہی ہو سکتی ہے جس میں اسلام بطور کل کے نافذ ہو سکے۔اسلام اگر مختلف حصوں اور ٹکڑوں کی صورت میں نافذ ہو گا تو اس وطن کو ہم دارالاسلام نہیں کہہ سکتے اس طرح کرنا اسلام کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ لہذا ایسی نامکمل آزادی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو کھپانا بے وقوفی ہو گی۔

"ہمارا مقصد ہند میں دارالاسلام قائم کرنا ہے جہاں اسلام کے جملہ نظام ہائے حیات کا نفاذ ہو سکے نہ کہ غلبہ انگریز کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے پاس چلا جائے۔انگریز کے اقتدار میں ہم دارالحرب میں ہیں اور نہ دارالاسلام میں بلکہ ہم شبہ دارالسلام میں ہیں۔" (30)

مودودی صاحب خالص اسلامی ریاست کے قیام کے حامی تھے۔ کیونکہ مسلمان دنیا میں شہادت حق کی ادائیگی کے لیے بھیجا گیا ہے۔ دنیا کے خطے پر محض ایک ملک کا اضافہ ہو جائے جس سے پہلے ہم دنیا کو دکھانے

---

29 Syed Riaz Ahmad , Islam and Modern Political Institutions in Pakistan, Lahore:Feroz Sons Ltd،2004,.P,69

30۔ابراہیم،عبدالحمید،المسلمون والصراع السیاسی الراھن،دارالانصار قاھرہ،،۱۹۸۱ء،ص:۳۹،۴۰

کے لیے اسلامی کا لفظ لگادیں یہ اسلام کا مقصود نہیں جبکہ وہاں کے بسنے والوں کے ذہن میں قوم اور وطن دین پر مقدم ہو یعنی سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والے اسلامی تصور قومیت کو نہیں سمجھ سکتے۔

” آزاد مملکت بھی صرف اس لئے نہ ہونی چاہیے کہ ایک ترکی، مصر یا ایران کا اور اضافہ ہو جائے بلکہ یہاں خالص اسلامی ریاست بنی چاہیے۔ جو لوگ قوم کو دین پر مقدم رکھتے ہیں یا صرف دین کی بجائے قومیت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ ہماری پوزیشن کو نہیں سمجھ سکتے۔“(31)

انسانوں نے تمام کرہ ارض کو مختلف اغراض اور قومیتوں کے نام پر سینکڑوں میں ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے ان کے بقول ہمیں ہندوستان میں صرف ایک ایسا ٹکڑا درکار ہے جہاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ کی حاکمیت قائم کی جاسکے۔ چاہے وہ ایک مربع میل کے ٹکڑے پر ہی کیوں نہ قائم ہو۔

”اس بت کے ٹوٹنے پر وہ روئے جو اسکو معبود سمجھتا تھا مجھے تو یہاں اگر ایک مربع میل کا رقبہ ایسا مل جائے جس پر صرف خدا کی حاکمیت ہو تو میرے لئے اسکا ایک ذرہ تمام ہندوستان سے قیمتی ہو گا۔“(32)

ڈاکٹر عبدالرشید مودودی صاحب کے تصور قومیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

“Muslim’s keepalive their Muslimis entity and Prevent Their absorption in to a non Mulism community.However he argued that a national government based on secularism or Muslim nationalism would not be qualitively different from the imperial government of india. Nationalism is an alien concept imported from colonialism to break up unity of the muslim world”.(33)

31۔ مودودی ابوالاعلیٰ، تحریک آزادی ہند اور مسلمان: اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰

32۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، جماعت اسلامی مقصد تاریخ و لائحہ عمل،، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱

33- Abdul Rasheed , Jamaat-e-Islami in the Politics of Pakistan, Karachi: Royal book company. 2003,,p:22,23

’’مسلمانوں کو اپنا مسلم تشخص بر قرار رکھنا چاہیے اور اپنے آپ کو غیر مسلم معاشرہ میں جذب نہ ہونے دینا چاہیے کوئی بھی سیکولر قومیت پرست حکومت ہو یا اسکی جگہ مسلم قومیت پرست حکومت ہو دونوں ہندوستان کی سامراجی حکومت سے مختلف نہیں ہیں۔ نیشنلزم ایک عفریت ہے اور یہ خوفناک تصور نوآبادیاتی نظام سے مستعار لیا گیا ہے تاکہ مسلم امہ کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جاسکے۔‘‘

مسئلہ قومیت پر سید مودودی نے حسین احمد مدنی اور عبید اللہ سندھی دونوں سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

’’ نیشنلزم اور اسلام مقصد و اسپرٹ دونوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں اسلام سیاسی ،معاشی، رنگ و نسل اور وطن کسی سطح پر بھی مسلمانوں کی تقسیم کو گوارہ نہیں کرتا جبکہ مولانا عبید اللہ سندھی ہندوستان میں نیشنلزم کی ترقی چاہتے ہیں۔"(34)

حمید الدین دہلوی نظریہ قومیت کے حوالے سے مولانا مودودی کا موقف تحریر کرتے ہیں کہ قومیں اوطان سے نہیں ایمان سے بنتی ہیں۔ لہذا ہم سب سے پہلے مسلمان پھر کچھ اور ہیں جبکہ نیشلزم کے حامی کہتے ہیں ہم پہلے ہندوستانی پھر کچھ اور ہیں۔ مودودی صاحب چاہتے تھے کہ مسلمان زوال کی اس کیفیت سے اپنے انفسی شعور کو بیدار کرنے کے بعد نکلیں اور مسلمان مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر خود مختار قوم کے طور دنیا کے نقشے پر ابھریں۔

’’قومیں اوطان سے بنتی ہیں سراسر بے بنیاد دعوی ہے اسکی تاریخ میں ایک مثال بھی نہیں پیش کی جا سکتی قومیں اوطان سے نہیں ایمان سے بنتی ہیں۔ جو لوگ پہلے ہندوستانی پھر کچھ اور ہیں مجھے ان سے کوئی سروکار

34۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، عصر حاضر کے مسائل اور ان کا حل، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۱۸۔۳۳

نہیں میرے مخاطب تو اول و آخر مسلمان ہیں مجھے وہ آزادی درکار ہے جس کے ذریعے زوال پذیر اسلامی طاقت کو سنبھالا ملے اور مسلم قوم خود مختار قوم کے طور پر ابھرے۔"(35)

امین احسن اصلاحی اسلام کے تصور قومیت کو اپنی کتاب "ریاست" میں واضح کرتے ہیں کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد خود اسلام یعنی اس کے آفاقی اصول ہیں۔

" اسلام قومیت کے جتنے بھی عوامل ہیں ان کو مفاسد سے پاک تسلیم نہیں کرتا اور ان کو یہ درجہ نہیں دیتا کہ اس پر معاشرت و تمدن اور سیاست کی بنیاد رکھی جائے اسلام میں قومیت کی بنیاد خود اسلام ہے لہذا ہم قوم و ہم زبان ہونے کے ناطے محبت ہونا اور خیر خواہی کا جذبہ و حقوق الگ بات ہے مگر انبیاء کرام نے اسے قومیت کی بنیاد قرار نہیں دیا۔"(36)

مودودی صاحب نے قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت (دار الکفر) کو شبہ دار السلام قرار دیا کہ جہاں مسلمانوں کو تاج برطانیہ کے تحت کافی حد تک مذہبی آزادی حاصل تھی مگر اسلام بطور نظام موجود نہ تھا۔ اور مودودی صاحب ایسے خطہ کے لیے جدوجہد کر رہے تھے جہاں اسلام بطور نظام حیات قائم کیا جاسکے۔ یعنی کوئی ایسا خطہ وجود میں آئے جسے دار الاسلام کہا جاسکے جہاں خالص مسلم قومیت کے تشخص پر مبنی حکومت الہیہ کا قیام ممکن ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا کہ یہ سیاسی جماعت دار الاسلام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ مسلم قومیت کی اصل فکر کے تحت ایک ملک قائم کر سکتی ہے۔ جبکہ قائداعظم اور دیگر اہل دانش کے ہاں فوری مسئلہ مسلمانوں کی انگریز اور ہندوؤں سے آزادی کا تھا۔

خلاصہ بحث

بیسویں صدی کے مسلم مفکرین بالخصوص جمال الدین افغانی، علامہ محمد اقبال حسن البناء، سید ابوالاعلی مودودی، سید قطب اور امین احسن اصلاحی متفق ہیں کہ مغربی تصور قومیت جس کی بناء رنگ و نسل ، زبان اور علاقہ پر رکھی گئی ہے اسلام کے تصور قومیت سے بالکل متضاد تصور ہے۔ اسلام وطن پرستی کی بجائے

35۔ دہلوی، حمید الدین، داعی نظام اسلامی اور تحریک پاکستان، مکتبہ بقائی راولپنڈی، س ن، ص: ۲۴۔26

36۔ اصلاحی، امین احسن، ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۸۳۔۸۴

خدا پرستی کی دعوت دیتا ہے۔اس کی بناء مساوات،عدل اور بھائی چارہ پر رکھی گئی ہے۔اس کے ذریعے ایک عالمی برادری تشکیل پاتی ہے۔ مگر عالمی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس کو متحد و منظم کرنے کی ضرورت ہے۔امت مسلمہ کے پاس بے شمار وسائل ہیں ان کو استعمال کرتے ہوئے وہ تعلیم،سائنس و ٹیکنالوجی،دفاع، معیشت اور تحقیق کے میدان میں باہمی تعاون کے ذریعے ترقی کی منازل طے کرسکتی ہے۔ مگراس کے لئے ضروری ہے کہ وہ گروہی، مسلکی وفرقہ وارانہ اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر مسلم قومیت کے تصور کو فروغ دے۔

مغربی تصور قومیت اور مسلم تصور قومیت ایک دوسرے سے متضاد تصورات ہیں اس سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

1۔مغربی تصور قومیت اسلام کے تصور قومیت سے متضاد تصور ہے۔

2۔اسلام اپنے تصور قومیت کی بنیاد خالصتاً تصور توحید، رسالت ،آخرت،ایمان اور تقوی وصالحیت پر رکھتا ہے۔

3۔مغرب کے تصور قومیت کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، اور علاقہ پر ہے جس سے عالمگیر برادری وجود میں نہیں آسکتی۔

4۔موجودہ عالمی دہشت گردی، بدامنی اور فساد مغربی تصور قومیت کی پیداوار ہے۔

5۔اسی تصور قومیت نے مسلم امہ کو بھی عرب و عجم اور دیگر علاقائی مفادات اور دھڑوں میں تقسیم کر کے خود غرضی ومفاد پرستی کی بناء پر آپس میں لڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔